© rasailojaraid.com

تحقیق وتنقید

حضرت مولانا مفتی محمد صدیق مدظلہ العالی (سرگودھا)

مسئلہ عول کے بارہ میں اہلِ تشیّع اور منکرینِ حدیث کا نظریہ اور اس پر تبصرہ

کہتے ہیں کہ انسان کی سعادت وشقاوت کا دارومدار انجام پر ہوتا ہے ——

مولانا امین احسن اصلاحی اپنی ابتدائی علمی زندگی میں ذہین ہونے کی وجہ سے اچھی شہرت کے حامل رہے ہیں۔ اسی بناء پر "تدبّرِ قرآن" میں انکارِ حدیث کی نیو کو عام علماء نے نظر انداز بھی کیا۔ لیکن اپنی اس تفسیر کی تکمیل کے بعد وہ جس طرح نہ صرف سنّت وحدیث کی جڑوں پر کلہاڑے چلا رہے ہیں، بلکہ اس کے لئے چن چن کر چند شاگردوں کو تربیت بھی دے رہے ہیں، اس سے ان کی اسلاف دشمنی کھل کر سامنے آ رہی ہے —— ان کے ایسے ہی شاگردوں میں سے "افلاطونیت" کے ایک دعویدار جاوید احمد بھی ہیں۔ جنہیں کتاب اللہ کی اصل مراد سے ناواقفی تو خیر ورثے میں ملی ہی تھی، فلسفہ ونحو اور ادب وبلاغت سے بھی وہ بالکل کورے ہیں —— اگرچہ اپنے پیش رووں مرزا غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کی طرح اپنی عام تقریروں میں ان کا انداز یہی ہوتا ہے کہ سارے مفسّرین، جن بعض قرآنی مفاہیم سے بے خبر رہے، ان کے اصل رموز واسرار صرف انہی پر منکشف ہوتے ہیں۔ گویا آج تک بشمول صحابہ کرامؓ جملہ فقہاء، نحو وبلاغت کے علاوہ قرآن کے ادبی اسلوب سے تو ناآشنا رہے اور قرآن مجید کے جو معنیٰ انہوں نے بالاتفاق مراد لئے وہ سب کے سب غلط تھے، البتہ اصل مرادِ الٰہی کو پہنچنا صرف حلقہ فراہی کا حصّہ ہے —— جیسے ان کا لکھا اور حلقۂ فراہی کا فرمایا ہوا الہامِ الٰہی کی طرح قطعی ہوتا ہے۔ بلکہ اُن کی جرأت یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ وہ اپنے تفسیری نکات کو قرآن سے قطعی الدلالت شمار کرتے ہیں۔ جب کہ سنّتِ رسولؐ کو، جو وحی الٰہی اور عصمتِ رسالت کی بناء پر کتاب اللہ کا جامع اور مکمل عملی نمونہ ہے، بھی اِن کے ہاں اللہ تعالیٰ کی حتمی مراد نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ کیونکہ اپنے نام نہاد "تدبر قرآن" کو فیصل قرار دے کر اس طعن سے کہ کتاب و سنت باہمی متعارض ہیں، یہ مشغلہ جاری رکھے ہوئے ہیں کہ ہم صرف وہی حدیث قبول کریں گے جو ہمارے قرآنی فہم کے خلاف نہ ہو۔ اسی طرح سنت کی عملی شروط و قیود کو بھی قرآن پر اضافہ بتا کر اس کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ اسی زعم میں میدانِ فقہ کے شاہسوار حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر انہوں نے یہ حملہ کیا ہے کہ علمِ وراثت میں "مسئلہ عول" کا وجود آپؓ کے کتاب و سنت سے (معاذ اللہ) بے بہرہ ہونے کی دلیل ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں اپنے استاد کے علاوہ دیگر منکرین حدیث اور شیعہ سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر انہوں نے میراث کے دو اہم اصولوں "عول" اور "رد" کا انکار کر دیا ہے اور شیعہ اور معتزلہ کی تفسیروں کے ساتھ لغت کی کتابوں کو سامنے رکھ کر نئے علمِ میراث کی ایجاد کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ جسے اپنی مزعومہ عربی دانی کے تحت "دیوبندی عربی" کے انداز میں انہوں نے پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کیا ہے۔

مسئلہ "رد" کا انکار تو ان کی ایجاد نو ہے اور وہ بھی اس قابل نہیں کہ انہیں علمی تبصروں سے متعارف کروایا جائے کہ آجکل شہرت حاصل کرنے کا آسان ذریعہ یہ بھی ہے اور شاید ان کی ایسی نادر ایجادات کا اصل محرک یہی جذبہ ہے۔ تاہم "مسئلہ عول" کے لئے ان کی اصل بنیاد منکرین حدیث اور بعض شیعہ ہیں اور اسی لئے مولانا محمد صدیق صاحب نے زیرِ نظر مضمون میں اس کا نوٹس لیا ہے۔

اگرچہ علم وراثت کا سب سے پہلے اٹھ جانا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے۔ لیکن ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ سعادت اصلاحی صاحب یا ان کے شاگردانِ رشید کے حصہ میں آئے گی۔ (ادارہ)

۱۔ دنیا بھر کے مذاہب میں سے اسلام ہی ایک ایسا دین ہے، جس نے تقسیم ترکہ کے وقت کسی مستحق رشتہ دار کو وراثت سے محروم نہیں ہونے دیا۔ جو میت کے ساتھ نسبی یا سببی تعلق رکھتا ہے، خواہ وہ مرد ہے یا عورت، بچہ ہے یا بوڑھا، بہر حال حصہ رسدی سے اس کو نوازا گیا ہے۔

۲۔ کون وارث ہے؟ ترکہ میں اس کے لیے حصہ کی مقدار کیا ہے؟ اس کا دار و مدار انسان کی عقل و دانش پر نہیں بلکہ اس کا تعین اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا"

(سورۃ النساء آیت ۱۱)

کہ "باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں کے بارہ میں تم نہیں جانتے کہ کون نفع کے اعتبار سے تمہارے زیادہ قریب ہے۔ یہ فریضہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی علم والا حکمت والا ہے"

۳۔ تقسیم ترکہ کے وقت تین صورتوں میں سے ایک صورت کا پیش آنا ناگزیر امر ہے۔

(ا) ترکہ اور حصص میں تماثل کی نسبت ہے۔ یعنی ترکہ حصص پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

(ب) ایسا بھی ہوتا ہے کہ ترکہ کے حصص ورثاء کے حصص سے کم ہیں۔ یعنی ترکہ حصص پر پورا تقسیم نہیں ہوتا۔

(ج) ذی فرض ورثاء کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد ترکہ کے کچھ حصص باقی بچ جاتے ہیں۔

پہلی صورت کی مثال :

مثلاً وارث خاوند ۔ ماں ۔ باپ ہیں۔ اس صورت میں خاوند کے لیے نصف تین حصہ دے کر باقی میں سے ماں کے لیے تہائی ایک حصہ، باپ کے لیے باقی دو حصے ہیں اس لیے کہ وہ عصبہ ہے۔ اس مسئلہ میں نصف اور تہائی حصص جمع ہو گئے اس کا اقل مخرج چھ ہے جس سے یہ حصص نکل سکتے ہیں۔ مخرج بھی چھ ہے اور حصص بھی چھ ہیں۔ اس حالت میں ترکہ ورثاء کے حصص پر پورا پورا تقسیم ہو گیا ہے۔

دوسری صورت کی مثال :

ترکہ کے حصص ورثاء کے حصص سے کم ہیں۔ اور ترکہ پورا پورا تقسیم نہیں ہوتا۔ مثلاً وارث خاوند اور دو بہنیں ہیں۔ اس صورت میں خاوند کے لیے نصف اور دو بہنوں کے لیے دو تہائی حصہ ہے۔ (سورۃ نساء، آیت ۱۱ - ۱۲ - ۱۷۶)

اس صورت میں خاوند کے لیے تین حصے اور دو بہنوں کے لیے چار حصے، کل سات حصے ہوئے۔

مخرج (ترکہ) ۶ ہے ترکہ کے حصص ورثاء کے حصص سے کم ہیں۔ اس صورت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسئلہ کا حل کیا ہے ؟ اہل تشیع وغیرہم کا نظریہ یہ ہے کہ وہ ورثاء، جو کسی وجہ سے اپنا حصّہ نہ پا سکیں اور ان کے لیے دوسرا متبادل حصّہ موجود ہے، ایسے ورثاء کے حصص ہی کمی نہیں کی جائے گی۔ مثلاً خاوند کے لیے نصف حصّہ ہے، جبکہ بیوی کی اولاد نہ ہو۔ اگر بیوی کی اولاد ہے تو خاوند کے لیے چوتھائی حصّہ ہے۔ اسی طرح بیوی کے لیے چوتھائی حصّہ ہے، جبکہ خاوند کی اولاد نہ ہو۔ اگر اولاد ہو تو بیوی کے لیے آٹھواں حصّہ ہے۔ ماں کے لیے تہائی حصّہ ہے، جبکہ میت کی اولاد نہ ہو۔ اگر اولاد ہو تو ماں کے لیے چھٹا حصّہ ہے۔ جن ورثاء کے لیے متبادل حصّہ نہیں۔ ان کے حصص میں کمی کر کے ترکہ کو ورثاء پر تقسیم کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ترکہ میں سے خاوند کو پورے تین حصّے ملیں گے۔ اور دو بہنوں کو تین حصّے ملیں گے جبکہ ان کے حصص دو تہائی یعنی چار ہیں۔ اہلِ انصاف کے نزدیک تقسیمِ ترکہ کی یہ صورت ظالمانہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کے لیے دو تہائی یعنی چار حصّے کر دیئے ہیں، تو چار کی بجائے ان کو تین حصص دینا اس میں ایک تو اللہ تعالیٰ کی صریحاً نافرمانی پائی جاتی ہے دوسرے بعض ورثاء کی حق تلفی ہے کہ صرف ان کے حصص میں کمی کی گئی ہے۔

حل کی منصفانہ صورت :

مخرج (ترکہ) ۶ ہے۔ ورثاء کے حصص سات ہیں۔ ورثاء کے حصص میں کمی کرنا یہ اس لیے غیر مناسب ہے کہ ورثاء کے حصص کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ اس میں تغیر تحریف احکام کے مترادف ہے۔ اس مسئلہ کے حل کی منصفانہ صورت یہی ہے کہ ترکہ کے چھ حصص کو ورثاء کے سات حصص پر پھیلا دیا جائے۔ اس میں ورثاء کے حصص کا تحفظ بھی ہے۔ اور کسی ایک وارث کے ساتھ بے انصافی بھی نہیں ہونے پاتی۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا ہے۔ علمِ وراثت کی اصطلاح میں اس کا نام "عول" ہے۔

اگر حضرت عمرؓ نے اس کو ایجاد کیا ہے، جیسا کہ مستدرک حاکم کی روایت اس طرف اشارہ کرتی ہے۔ تو ان کا یہ کارنامہ ان کے عدل و انصاف کی روشن دلیل ہے۔ ہر عدل پسند انسان دادِ تحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ! عول کے مسئلہ پر علامہ جاوید احمد غامدی نے اہلِ تشیع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور منکرینِ حدیث کے نظریہ کی حمایت کرتے ہوئے تنقید کی ہے۔ لکھا ہے :

" دوسرے فقہاء نے بھی یہی قاعدہ بیان کیا ہے۔ لیکن اس کا طرفہ پہلو یہ ہے کہ لڑکیوں کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ لڑکیوں کے حصے بہر صورت پورے ترکہ میں سے دیئے جائیں گے۔ ان حضرات کی یہی تو غلطی ہے۔ جس کی وجہ سے عول کا وہ عجیب و غریب قاعدہ ایجاد کرنا پڑا ہے جس کو ماہرینِ فقہ و قانون کی بوالعجبیوں میں قیامت تک بلند ترین مقام حاصل رہے گا۔"

(میزان جلد ۱ ص ۵۰)

مانا کہ جاوید احمد غامدی اپنے ماحول میں علامہ ہوں گے اور جملہ علوم و فنون پر ان کو دسترس حاصل ہوگی، مگر جہاں تک وراثتِ اسلامیہ کا تعلق ہے، اس کے رموز و اشارات تو دور کی بات ہے، اس کے حروفِ ابجد سے بھی آپ ناآشنا دکھائی دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ :

" اولاد میں تقسیم وراثت کے لیے قرآنِ مجید نے "لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ" کا اصول بیان کیا ہے۔ اس میں یہ تصریح نہیں کہ یہ تقسیم ترکہ کے کس حصہ میں ہوگی؟" (میزان حصہ اوّل ص ۱۴۷)

حالانکہ مدرسہ کے مبتدی طالبِ علم بھی جانتے ہیں کہ ترکہ اصحاب الفروض میں تقسیم ہوتا ہے۔ باقی بچ جائے تو وہ عصبہ کے لیے۔ چونکہ بیٹی اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہوتی ہے اس لیے ان میں تقسیم کا تعلق ترکہ کے بقایا حصہ سے ہے۔ "اس میں تصریح نہیں" یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے جو علمِ فرائض میں ادنیٰ مہارت بھی نہیں رکھتا۔

موصوف نے جو دوسری بات کہی ہے، وہ پہلی سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔ فرماتے ہیں:

" دو بیٹیوں کو باقی ترکہ کا دو تہائی حصہ دیا جانا چاہیئے۔"

ان کی یہ رائے قرآنِ مجید کی ہدایت کے سراسر خلاف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ " (سورہ نساء آیت ۱۱)

یعنی "بیٹیوں کے لیے ترکہ کی دو تہائی ہے۔"

" ثُلُثَا " کی اضافت " مَا تَرَكَ " کی طرف ہے۔ یعنی میت نے جو ترکہ چھوڑا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا دو تہائی دو بیٹیوں کے لیے ہے۔

ایک اور جگہ ہے:

"فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ" (سورۃ نساء آیت، ۱۷۶)

یعنی "دو بہنیں ہوں تو ان کے لیے دو تہائی اس ترکہ میں سے ہے جو اس (میت) نے چھوڑا ہے۔"

ان ہر دو آیات سے ظاہر و باہر ہے کہ ایک سے زیادہ بیٹیاں یا بہنیں ہوں تو ان کے لیے کل ترکہ کی دو تہائی ہے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت سعدؓ جب شہید ہوئے تو انہوں نے ایک بیوی اور دو بیٹیاں اور ایک بھائی وارث چھوڑے بھائی نے تمام ترکہ پر قبضہ کر لیا۔ آپؐ کے پاس ذکر ہوا تو آپؐ نے سعدؓ کے بھائی کو بلا کر ہدایت فرمائی کہ دو بیٹیوں کو دو تہائی اور آٹھواں حصہ بیوی کو دیا جائے۔ باقی جو بچے وہ تیرے لیے ہے۔ اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جن آیات میں بیٹیوں اور بہنوں کو دو تہائی حصہ دینے کا بیان ہے اس سے مراد کل ترکہ کی دو تہائی ہے، نہ کہ باقی ترکہ کی! اپنے خانہ ساز نظریہ کو تحفظ دینے کے لیے قرآن وحدیث کی غلط توجیہات اور باطل تاویلات کرنا اچھے لوگوں کا شیوہ نہیں ہے۔

جاوید صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"بھائی ایک بھی ہو، والدین کا حصہ کم ہو جائے گا۔"

مسٹر موصوف کا یہ نظریہ بھی خود ساختہ ہے اور قرآنِ مجید کے مخالف!

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ" (النساء: ۱۱)

اگر "میت کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔"

"إِخْوَةٌ" جمع کا لفظ ہے۔ اس سے مراد ایک سے زیادہ بھائی وغیرہ ہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ کم از کم تین بھائی ہوں تو وہ ماں کے لیے نقصان کا باعث ہیں مگر جمہور ائمہ کے نزدیک کم از کم دو کی تعداد ہے۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کسی ایک مفسر نے "إِخْوَةٌ" کے لفظ کا اطلاق ایک فرد پر نہیں کیا۔ سلف کی تفسیر کے خلاف تفسیر کرنا الحاد اور بے دینی کی علامت ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موصوف کا خانہ ساز ایک اور نظریہ یہ ہے کہ:

"والدین کی موجودگی میں بھائی بہن وارث ہیں"

یہ نظریہ بھی اجماعِ اُمّت کے خلاف ہے۔ اُمّت کا اجماع ہے کہ باپ کی موجودگی میں بھائی بہن وارث نہیں۔ نیز یہ وراثت کے اس مسلّم اصول کے بھی مخالف ہے کہ:

"جو شخص کسی وارث کے واسطہ سے میّت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اس واسطہ کی موجودگی میں یہ شخص وارث نہیں ہو گا"

مثلاً:

۱۔ دادا باپ کی موجودگی میں وارث نہیں۔ اس لیے کہ دادا کا تعلق میّت سے باپ کے واسطہ سے ہے۔ لہٰذا باپ کی موجودگی میں دادا وارث نہیں ہو گا۔

۲۔ پوتا بیٹے کی موجودگی میں وارث نہیں۔ اس لیے کہ پوتا کا تعلق میّت سے بیٹے کے واسطہ سے ہے۔ لہٰذا بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں۔

۳۔ نانی ماں کی موجودگی میں وارث نہیں۔ اس لیے کہ نانی کا تعلق میّت سے ماں کے واسطہ سے ہے۔ لہٰذا ماں کی موجودگی میں نانی وارث نہیں۔ اسی طرح بھائی بہن، باپ کی موجودگی میں وارث نہیں۔ اس لیے کہ بھائی بہن کا تعلق میّت سے باپ کے واسطہ سے ہے۔ لہٰذا باپ کی موجودگی میں بھائی بہن وارث نہیں، اُمّت کا اجماع بھی اسی بات پر ہے کہ باپ کی موجودگی میں بھائی بہن وارث نہیں۔ چنانچہ یہ درست ہے کہ موصوف کے قلم میں روانگی ہے، مگر منزل سے بے خبر رہ کر سرپٹ دوڑتے والی بات ہے۔

تیسری صورت کی مثال:

یہ ہے کہ مخرج (ترکہ) کے حصص ورثاء کے حصص سے بڑھ جاتے ہیں مثلاً وارث خاوند۔ ماں۔ بیٹی ہیں۔ اس صورت میں خاوند کے لیے چوتھائی تین حصے، ماں کے لیے چھٹا دو حصے اور بیٹی کے لیے نصف چھ حصے ہیں۔ مخرج (ترکہ) کے بارہ حصص ہیں اور ورثاء کے حصص گیارہ ہیں۔ ورثاء کو ان کے حصص دینے کے بعد ترکہ کا ایک حصہ بچ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے۔ خاوند کو چھوڑ کر بچا ہوا ترکہ ماں اور بیٹی پر ان کے حصص کے تناسب سے ان پر لوٹا دیا جائے گا۔ علمِ وراثت کی اصطلاح میں اس عمل کا نام "ردّ" ہے، خاوند کو اس سے اس لیے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ خاوند یا بیوی کا تعلق میّت سے نسبی نہیں ہوتا، بلکہ سببی ہوتا ہے۔ اس لیے ان کو "ردّ" سے الگ رکھا جاتا ہے۔ "ردّ" کو شیعہ اور منکرینِ حدیث مانتے ہیں۔ اس کے مقابل عول ہے۔ اس سے گریز "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ" کے مصداق ہے۔

شعروادب

جناب اسرار احمد سہاوری

نعت

انہیں شامل تو کر لوں داستاں میں
یہ مشکل ہے کہاں وہ اور کہاں میں

تکلف برطرف یہ بات سچ ..... ہے
نہیں ہوں نعت کے شایانِ شاں میں

رسائی ان کی ہے عرشِ بریں تک
سیہ بخت و نصیبِ دشمناں میں

ادا میں حق کروں ان کی مدح کا
نہیں ہے یہ میرے وہم وگماں میں

متاعِ کن فکاں کے وہ ہیں مالک
زکفت بردہ متاعِ رائگاں میں

جہانِ آب و گِل کی بات کیا ہے
نہیں ان کا مقابل دو جہاں میں!

ہے ان کی آمد آمد کا قرینہ
بڑی وارفتگی ہے لامکاں میں

ستارے ان کے جو زیرِ قدم تھے
سجائے ہیں کسی نے کہکشاں میں

تڑپ جائیں جسے سن کر مسلماں
اثر اتنا تو ہو میری اذاں میں

اُدھر دشمن ہوئے ہیں غرقِ آہن
اِدھر ٹوٹی ہوئی ناقص کماں میں

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
نہیں کوئی محافظ کارواں میں

جہاں دل ساتھ دے قول و عمل کا
وہیں تاثیر آتی ہے زباں میں

غلامی ان کی راس آئی ہے اسرار
بنا ہوں ان کی مدحت کا نشاں میں

© rasailojaraid.com